اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کی خدمات

بزرگان دین اور صوفیا نے نمو پذیر ہوتے نہالِ اردو کو سینچنے اور تناور درخت بنانے میں جو کردار ادا کیا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے گھروں میں بھی یہ زبان بولی جاتی تھی۔ چونکہ ان کا واسطہ عوام سے تھا اور ان سے رابطے کے لئے انہوں نے اس زبان کو اپنایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس عہد کے عوام کے درمیان یہ زبان عام بول چال کی زبان بن چکی تھی اور گھر اور باہر ہر جگہ بولی جاتی تھی۔ اس کا ذکر شیخ حمید الدین ناگوری کی ایک تحریر سے بھی ملتا ہے حالانکہ یہ تحریر بہ زبان فارسی ہے لیکن اس میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے گھروں میں بھی اردو زبان بولی جاتی تھی۔ گویا فارسی تیرہویں صدی عیسوی میں اردو فارسی زبان کی جگہ لے رہی تھی۔ اور بزرگان دین رسائل و کتابیں تصنیف کر رہے تھے اور تعلیم و تربیت کا کام بھی کام لے رہے تھے۔

جب محمد تغلق نے دولت آباد کو اپنا دار السلطنت بنایا تو شاہ برہان الدین غریب خواجہ نظام الدین اولیا کی ہدایت پر دلی سے دکن منتقل ہوئے۔ انہیں دکن کی خلافت ملی جہاں انہوں نے سکونت اختیار کی اور تعلیم کا فریضہ انجام دیا۔ کہا جاتا ہے کہ جب برہان الدین غریب دولت آباد جا رہے تھے تو نظام الدین اولیاؒ نے ہدایت کی کہ وہاں ان کی پیرزادی یعنی بابا فرید گنج شکر کی صاحب زادی عائشہ کی خدمت میں حاضر ہونا۔ برہان الدین غریب ہر جمعہ کو ان کے یہاں تشریف لے جاتے۔ ایک دن کی بی بی عائشہ کی بیٹی جس کے متعلق عابدہ اور زاہدہ ہونا مشہور ہے، کو دیکھ کر برہان الدین متبسم ہوئے۔ اس پر عائشہ نے کہا ’اے برہان الدین! ساڈی دھیہ کہ کہی اہنسدا اہے۔‘‘ یعنی اے برہان الدین میری بیٹی کو دیکھ کر کیوں ہنستا ہے؟

خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے سلسلے کے ایک اور بزرگ محمد ابن یوسف الحسنی جنہیں گیسو دراز بندہ نواز کے لقب سے جانا جاتا ہے دکن گئے۔ ان کے ساتھ نظام الدین اولیا کے خلیفہ اور جانشین شیخ نصیر الدین چراغ کے بہت سے مرید بھی روانہ ہوئے۔ اور گلبرگہ میں قیام کیا۔ بادشاہ فیروز شاہ بہمنی نے ان کی تعظیم و مدارات کی۔ گیسو دراز نے بھی یہاں اپنے مریدوں کے لئے درس کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ عربی و فارسی کے علاوہ اردو میں بھی درس دیا کرتے تھے۔

صاحب تصنیف بزرگوں میں ایک اہم نام شاہ برہان الدین جانم کا ہے۔ وہ میراں جی شمس العشاق کے فرزند تھے اور انہیں خلافت بھی ملی تھی۔ برہان الدین جانم پائے کے بزرگ تھے اور صاحب تصنیف بھی۔ مولوی عبدالحق کے مطابق ان کے کلام کا ایک بڑا مجموعہ انہیں دستیاب ہوا جس میں دس منظوم رسالے شامل ہیں جن میں تصوف کی باتیں ہیں۔ برہان

الدین جانم میں شعری ذوق اور شعر گوئی کا فن بدرجہ اتم موجود تھا۔ان کی زبان بھی ماقبل شعرا سے زیادہ ستھری اور نکھری ہوئی ہے۔اس کا اندازہ ان کے اس حمدیہ اشعار سے لگایا جا سکتا ہے ۔

اللہ پاک منزہ ذات اس سوں صفتاں قائم سات

علم ارادت قدرت بار سنتا دیکھتا بولنہار

حی صفت یہ جان حیات اس کوں ناہیں کدممات

عشق کے بیان میں ان کے درج ذیل اشعار بھی دیکھے جا سکتے ہیں ۔

کوئی کہیں سب عشق تمام عشق کے آنکھیں کیا ہے فہام

عشق لیا ہے سب پھر باس عشق تھے سگلا بھوگ بلاس

بعض آ کہیں اپنی بوجھ معلوم نہیں کچھ اس کی سوجھ

ایک جمع سب پکڑیا بار جو نکے بیج تھے نکلیا جھار

کوٹا چھانتا پھل اور پھول شاخ برگ سب دیکھ اصول

ایک جمع کر راکھیں بار بیج پنے کا ناہیں بھار

برہان الدین جانم کا ایک رسالہ نثر میں ہے کلمۃ الحقائق لیکن اس میں تصوف کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ برہان الدین جانم نے اس زبان میں کثرت سے اشعار کہے ہیں۔ان کا کلام بھی ان کے والد بزرگوار میراں جی شمس العشاق کی طرح وافر ہیں۔

اسی طرح شاہ امین الدین اعلیٰ شاہ برہان کے صاحب زادے اوران کے جانشین تھے۔گویا اردو سے محبت اور شاعری انہیں وراثت میں اپنے والد اور دادا سے ملی تھی۔انہوں نے قصیدے،نظمیں اور دوہے وغیرہ کہی ہیں ۔ ان کی شاعری میں عربی وفارسی کے الفاظ پائے جاتے ہیں لیکن ان کے عہد تک آتے آتے اردو زبان کچھ نکھر چکی معلوم ہوتی ہے۔ ان کے ایک قصیدہ محب نامہ کے چند اشعار اس بات کے شاہد ہیں:

قمرین نین تیرے ساحر ہوئے ہمن کوں
گمراہ کر بلاوے قوس قزح بھون کوں
پیچوں بھویاں زلف تج موجوں دبے بحر موں
ہر لہر پر کرشمہ عشاق کے بچن کوں
راہ صراط پل جوں سرمانگ جو چھپی ہے
کا ہے کشاں سماں پر محب بلاونے کوں

سیما عرش علامت کرسی مکٹ سہاوے

روشن شمع منور پروانے جانے کوں

ان کے نعتیہ کلام کا یہ نمونہ اردو میں عربی الفاظ کی بہ کثرت شمولیت کا ثبوت ہے ۔

نبی پرگٹ ذات ظہور ہے

معشوق حق اللہ نورٌ علیٰ نور ہے

حقیقت حقائق ذات کمال ہے

صورت معنی ذوالجلال ہے

امین الدین اعلیٰ نثر میں بھی کمال دکھاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کا ایک رسالہ مولوی عبدالحق کی تحقیق کے مطابق دستیاب ہے۔ انہوں نے امین الدین اعلیٰ کی نثر کا جو نمونہ پیش کیا ہے اسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اردو ترقی کی منزلیں طے کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچ چکی تھی جہاں سے اس کے راستے ہموار نظر آتے ہیں اور منزل بہت دور نہیں معلوم ہوتی۔ یہ سترہویں صدی کے نصف اول کا زمانہ ہے جب امین الدین اعلیٰ اردو میں شعر کہہ رہے تھے اور نثر لکھ رہے تھے۔ ان کی نثر کا یہ نمونہ اسی جانب اشارہ کرتا ہے:

''اللہ تعالیٰ گنج مخفی کو عیاں کرنا چاہا تو اول اس میں سوں ایک نظر نکلی، سو اس سے امین دیکھ ہوا۔ امین شاید کہتے ہیں یو دونوں ذات کے دو طور ہیں۔ ذات نے اپس کو دیکھا، اسے نظر کہتے ہیں۔ دیکھ کر گواہی دیا تو اسے شاہد کہتے ہیں۔ یہ تینوں مرتبے ذات کے ہیں۔'' (بحوالہ مولوی عبدالحق)

اردو کی نشوونما میں سید میراں حسینی شاہ کی خدمات بھی قابل ذکر ہیں۔ حسینی شاہ ایک بزرگ اور صوفی تھے۔ ان کے مریدین نے بھی اردو کی ترویج و ترقی میں حصہ لیا۔ میراں حسینی شاہ امین الدین اعلیٰ کے مرید تھے۔ ان کے کئی رسالے ملتے ہیں۔ ان کی کتاب شرح تمہید ہمدانی قدیم اردو نثر کا ایک نمونہ ہے۔ اور بقول مولوی عبدالحق اس کتاب سے قبل صرف ملاوجہی کی 'سب رس' ہی ایسا نثری نمونہ ہے ورنہ صرف رسالے ہی ملتے ہیں۔ شرح تمہید ہمدانی ایک ضخیم کتاب ہے۔ جس میں عشق و تصوف کی باتیں کی گئی ہیں۔

علاوہ ازیں قطب عالم، حضرت شاہ عالم، سید محمد جونپوری، شاہ محمد غوث گوالیاری وغیرہ کا نام بھی اردو کی نشوونما کے سلسلے میں قابل ذکر ہے۔

(جاری)

ڈاکٹر توقیر عالم، اسسٹنٹ پروفیسر، مولانا مظہر الحق عربی و فارسی یونیورسٹی، پٹنہ